مؤلف: ڈاکٹر محمد رفیع الدین
مترجم: ڈاکٹر ابصار احمد

(۹)

منشورِ اسلام

جنّت کی نعمتیں اور دوزخ کے مصائب صرف استعارے نہیں ہیں

ہر شخص اگلی زندگی میں اپنی ذہنی سطح اور کیفیت کے مطابق اپنی جنّت اور دوزخ خود بنائے گا۔ اس سلسلے میں اصل اہمیت اس مادّی دنیا میں کمائے ہوئے اعمال کی ہوگی جس کے اثرات اس کے لاشعور میں جمع ہوتے رہتے ہیں اور جس کی پوٹلی باندھ کر وہ اگلی زندگی میں قدم رکھے گا۔ اس ابدی زندگی میں اسے اپنے کسب شدہ اعمال کے نتائج بھگتنے ہوں گے۔ یا تو مثبت طور پر وہ اس کے کام آئیں گے یا پھر سخت تکلیف دہ عواقب برداشت کرنا ہوں گے۔ وہاں پر اسے ان تمام لوگوں سے واسطہ پڑے گا جن کے حقوق اس نے اس دنیا میں غصب کیے ہوں گے۔ خود اس کے اعضا وجوارح کو زبان دے دی جائے گی جو اس کے خلاف شہادت پیش کریں گے۔ اگر دنیا میں اس کے اعمال اس کی فطرتِ سلیمہ اور خالقِ کائنات کی مرضیات کے مطابق ہوں گے تو اسے اگلی دنیا میں نہایت خوشگوار لوگوں کی معیّت اور نہایت دیدہ زیب اور دلفریب مناظر و اشیاء سے نوازا جائے گا۔ مثلاً باغات، مرغوب کھانے اور لذیذ مشروبات، خوبصورت ساتھی، نہریں اور سایہ دار ثمر اشجار وغیرہ۔ اس جنّت کی نعمتیں دنیا میں کمائے ہوئے اعمال اور اخلاقی جدّوجہد کے تناسب سے ہوں گی۔ کسی شخص نے جس درجے میں اپنے خالقِ حقیقی کی صفتِ حسن کو اپنے اخلاق و اعمال میں اپنایا ہوگا وہ اسی قدر نعمتوں کا مستحق ہوگا۔ اور آخرت کی زندگی میں بھی اس کی خودی کی بالیدگی اور ترفع کا عمل جاری رہے گا۔

اور اگر اس زندگی میں کسی شخص کے اعمال اس کی فطرتِ سلیمہ اور خالقِ کائنات کے احکام

کے خلاف ہوں گے تو اسے اپنے اعمالِ بد کو انتہائی کریہہ صورتوں میں متشکل دیکھنا پڑے گا مثلاً آگ کی لپٹ، انتہائی گندہ اور ناپسندیدہ پانی، ناکارہ اور بدذائقہ غذا، جسمانی تعذیب، سانپ بچھو وغیرہ۔ وہ ان سب سے بھاگنے کی کوشش کرے گا لیکن اس کا کچھ بس نہ چل سکے گا۔ اسے موت بھی آکر ان تکالیف سے چھٹکارا نہیں دلا سکے گی۔ چنانچہ جنت اور دوزخ اور ان کی تفاصیل صرف خالی استعارے نہیں بلکہ واقعی اور حقیقی مقامات ہیں جو اگرچہ متشکل ان اعمال کے نتیجے کے طور پر ہوں گے، جو ہم اس دنیوی زندگی میں کرتے ہیں اور جن کے اثرات ہمارے لاشعور میں جمع ہوتے رہتے ہیں یہی اعمال حیاتِ اُخروی میں معروضی کیفیات اور مقامات کا رُوپ دھار لیں گے جو یا تو انتہائی آرام دہ اور خوش کن ہوں گے یا انتہائی تکلیف دہ اور مضرت بخش۔

تاہم یہ حقیقت ہے کہ ایک مومن جس نے دنیا میں تھوڑے بہت نیک کام کیے ہوں گے وہ آخر کار جہنم سے اس کی گلوخلاصی کا باعث بنیں گے۔ اور اس طرح دوزخ کے مصائب سہتے ہوئے بھی اس کی روح کی بالیدگی کا سبب بالآخر وہ اعمال خیر بنیں گے جو اس نے دنیا میں کیے ہوں گے۔ اس نے صحیح نصب العین کے لیے جتنے زیادہ عمل کیے ہوں گے اتنی جلدی اسے جہنم کی آگ سے نجات ملے گی۔ اس طرح یہ اعمال وہ نور بن جائیں گے جو سیاہ کاریوں کے اندھیاروں کو ختم کر دیں گے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ (ہود: ۱۱۴)

"بے شک نیکیاں گناہوں کو دُور کر دیتی ہیں"

غلط نصب العین سے محبّت کرنے والے کا انجامِ بد

جو شخص پیغمبروں کی ہدایات پر کان نہ دھرتے ہوئے کسی غلط نصب العین کو اختیار کر لیتا ہے اور اس طرح پوری زندگی میں غلط روش پر چلتا ہے، وہ آخرت میں نہایت المناک انجام سے دوچار ہوگا۔ بالخصوص اگر حیاتِ دنیوی کے اختتام یعنی موت کے وقت بھی وہ غلط نظریات اور عمل پر کاربند ہے تو اس کی روح کی صحیح سمت میں ترقی و بالیدگی کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں۔ ارشادِ ربّانی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْھَا لَا تُفَتَّحُ لَھُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ؕ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ ۝

(الاعراف : ۴۰)

"یقیناً جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان کے مقابلے میں سرکشی کی اُن کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ ہی وہ جنّت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اُونٹ سوئی کے ناکے میں سے گزر جائے۔ اور ہم مجرموں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔"

وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَکَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ (الحج : ۳۱)

اور جو اللہ کے ساتھ (کسی کو) شریک ٹھہراتے تو (اس کا حال ایسا ہے کہ) جیسے وہ آسمان سے گر پڑا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ج (النساء : ۴۸)

اللہ یہ کبھی معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ (کسی کو) شریک گردانا جائے۔ ہاں اس کے سوا (جتنے گناہ ہیں) وہ جس کو چاہے معاف کر دے۔

شرک ایسا گناہِ عظیم ہے جسے اللہ تعالیٰ کبھی نہیں بخشتا۔ ایک مشرک کے لیے یہ کبھی ممکن نہیں ہوتا کہ وہ دوزخ کے عذاب سے نجات حاصل کر سکے۔ چنانچہ اس کی روح ہمیشہ کے لیے اندھیاروں میں بھٹکتی ہے اور اسے نور یا روشنی کی کوئی رمق کبھی بھی حاصل نہیں ہوتی۔ وہ ابدالآباد تک اپنے اعمال سے کسب شدہ اندھیرے میں گھری رہتی ہے جس طرح وہ دنیوی زندگی میں اندھیرے اور حجاب میں رہی۔ اسی طرح آخرت میں بھی تیرہ شبی اس کا مقدر بنتی ہے :

وَمَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا ۝ (بنی اسرائیل : ۷۲)

اور جو اِس (دنیا میں) اندھا بنا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور راہِ (نجات) سے بالکل بھٹکا ہوا۔

ایسے شخص نے اپنے تئیں خواہ کسی عمل کو کتنا ہی بھلا اور اچھا سمجھا ہو، یا اسے فلاحِ عام اور انسانیت دوست جذبے کے تحت انجام دیا ہو، حیاتِ اُخروی میں وہ (ایمان باللہ کے بغیر) کسی کام کا نہ ہوگا۔ چونکہ اس کا مطمحِ نظر یا نصب العین غلط تھا اس لیے یہ بظاہر اچھے کام بھی اسی غلط نصب العین کی مقصد براری کرتے ہوئے اس کے حقیقی روحانی ترفع میں بالکل ممد نہ ہونگے۔ چونکہ ان تمام افعال کے پس پردہ اللہ کی رضاجوئی کا جذبہ کارفرما نہ تھا اس لیے آخرت میں قطعاً نتیجہ خیز نہ ہوں گے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں متعدد بار ارشاد ہوتا ہے:

فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ (الکہف: ۱۰۵)

سو ان کے اعمال اکارت گئے۔ پس ہم قیامت کے دن ان کے لیے ترازو کھڑی ہی نہیں کریں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ (النور: ۳۹)

اور جن لوگوں نے کُفر کی روش اختیار کی اُن کے اعمال تو دشتِ (بے آب) میں سراب کی مانند ہیں جسے پیاسا پانی سمجھ بیٹھتا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ (ابراہیم: ۱۸)

جن لوگوں نے اپنے رَبّ کے ساتھ کفر کی روش اختیار کی اُن کے اعمال کی مثال راکھ (کے ڈھیر) کی سی ہے جسے آندھی کے روز ہوا لے اڑے۔ جو کچھ انہوں نے (اپنے نیک اعمال کے ذریعے دنیا میں) کمایا ہے اس میں سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہ آئے گا۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ؕ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ (الکہف: ۱۰۳، ۱۰۴)

(اے پیغمبر ان سے) کہو کہ کیا ہم تمہیں ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں ہیں؟ (یہ) وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں دنیا کی زندگی میں کھوئی

گئیں اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت خوب کام کر رہے ہیں۔

مندرجہ بالا تشریحات سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ جنّت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذاب کا آغاز اسی دنیا میں ہو جاتا ہے۔ ایک صحیح العقیدہ اور نیکوکار مسلمان اسی دنیا میں اگلی زندگی میں ملنے والی جنّت کے مسرّت و آرام کا کچھ تجربہ حاصل کرنے لگتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک ایمان سے تہی دست شخص دنیوی زندگی ہی میں دوزخ کی تکالیف اور سوزش کا مزہ چکھنے لگتا ہے۔ لیکن چونکہ ایک بندۂ مومن دنیوی زندگی کے دوران اپنے نفس اور شیطان کے حملوں کے خلاف ہر وقت چوکس رہتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے رب کی نعمتوں کو پورے طور پر اُخروی زندگی ہی میں دیکھے گا۔ ایک کافر کی روش اس کے برعکس ہوتی ہے۔ وہ اپنے رویّے میں صحیح نصب العین اور اس کے تقاضوں کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا، چنانچہ اس کا عمل تقوی اور اخلاقی حدود کو پامال کر دیتا ہے۔ اور دنیا کی عارضی لذتوں میں کھویا رہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک فرمان اسی حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے:

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ۔ (الحدیث)

دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنّت ہے۔

تحلیلی نفسیات کی مثبت شہادت

تحلیلی نفسیات دان بھی اس بات کے قائل ہیں کہ ہر انسانی عمل (بشمول خواہشات) ہمارے لاشعور کا مستقل حصّہ بن کر محفوظ ہو جاتا ہے۔ متعدد تحلیلی نفسیات دان اس امر کا مدلّل ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ ہر انسانی حرکت اور عمل کا ایک اثر اس کے ذہن اور خودی پر پڑتا ہے اور یہ ذہنی کیفیت اور اثر اس کے لاشعور میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتا ہے۔ امتدادِ زمانہ سے ان اثرات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ان اثرات سے پتہ چلتا ہے کہ ذہنِ انسانی کا لاشعوری حصّہ بالکل مختلف اصولوں کے تحت علیحدہ وجود رکھتا ہے اس میں بیک وقت متضاد نشاناتِ عمل محفوظ ہو سکتے ہیں اور وہ منطقی قوانین کے مطابق ایک دوسرے کو ختم نہیں کرتے بلکہ متضاد اور باہم مخالف اثرات اس میں ایک ساتھ جمع ہو سکتے ہیں۔ اس حقیقت کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ شعوری زندگی کے بعض انتہائی غیر

اہم اور بھولے بسرے واقعات کے ارتسامات بھی اس لاشعور میں محفوظ رہتے ہیں۔ حالانکہ شعوری زندگی میں ان کے وقوع پذیر ہوتے ہوئے ہم نے انہیں قطعاً اہمیت نہیں دی ہوتی لیکن یہی واقعات ہمارے ذہن کے پردے پر آکر خوابوں کا علامتی رُوپ دھار لیتے ہیں۔ اس حقیقت کا مزید ثبوت ہپناٹزم کے عمل سے ملتا ہے جس میں ہپناٹزم کا ماہر اپنے معمول پر نیم خوابی کی سی کیفیت طاری کر کے اس کے لاشعور میں گہری اتری ہوئی یادوں کو شعور کے سطح پر لے آتا ہے اور سوالات کے ذریعے ان کا اظہار کرواتا ہے۔ فرائڈ رقم طراز ہے۔

"اِڈ، (لاشعور) میں تصوّرِ زماں کے متبادل کوئی خیال نہیں ہوتا اور وقت کے گزرنے کے سلسلے میں بھی اس میں کوئی تصوّر نہیں ہوتا۔ ذہنی کیفیات کے آنے جانے میں بھی زمانی تغیّر کا احساس و اِڈ، میں جگہ نہیں پاتا۔

یہ حقیقت مجھ پر منکشف ہو رہی ہے کہ ہم نے دبی ہوئی خواہشات کے لاشعور میں چلے جانے اور اس ضمن میں امتدادِ زمانہ کے غیر حقیقی ہونے کا بہت کم ادراک کیا ہے۔ میرا گمان یہ ہے کہ اس سے بہت سے حقائق کو سمجھنے کی کلید ہمارے ہاتھ آسکتی ہے۔ اگرچہ خود میں ابھی اس خیال کو مزید آگے نہیں بڑھا سکا ہوں۔"

ان علمی تصریحات کی روشنی میں یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ انسان کے وجود کے کسی حصّے میں (جس کا اسے شعور نہیں) اس کے تمام اعمال درج کیے جا رہے ہیں اور یہ ریکارڈ بالکل درست اور ہر دم خواہی نخواہی اس کے ساتھ رہتا ہے۔ انسان کے اعمال کے ہر لحظہ ریکارڈ کی طرف قرآن کریم کے ان الفاظ میں اشارہ ہے:

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ط (بنی اسرائیل: ۱۳)

اور ہم نے ہر انسان کا صحیفۂ عمل اس کے گلے میں لٹکا رکھا ہے۔

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (الانفطار: ۱۰-۱۲)

اور یقیناً تم پر (ہماری طرف سے) نگران مقرّر ہیں، معزّز لکھنے والے۔ وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

ذہن انسانی کا لاشعوری حصّہ دراصل اس کی شخصیت یا خودی ہے۔ کیونکہ جسے ہم شعوری ذہن کہتے ہیں وہ لاشعوری ذہن کا صرف ایک چھوٹا سا حصّہ ہوتا ہے۔ انسان کے جسم اور ذہن کی ساخت اور مادی اجزاء کی مسلسل تبدیلی کے باوجود اس کے لاشعور میں محفوظ اعمال کا ریکارڈ بغیر کسی کمی بیشی یا تبدیلی کے جاری رہتا ہے اور جیساکہ ماہرِ نفسیات فرائڈ کا بھی خیال ہے یہ قدرت کا ایک نہایت اہم انتظام ہے۔ قرآن اسی حقیقت کے ضمن میں مندرجہ ذیل صراحتیں پیش کرتا ہے:

(ل) زمانی اور مکانی قوانین کا اطلاق صرف جسمِ انسانی پر ہوتا ہے۔ انسانی خودی (روح) جسم سے علیحدہ وجود رکھ سکتی ہے۔ صرف روح لافانی ہے۔

(ب) خودی کے حیاتِ دنیوی کے اعمال کے نتائج مسرّت و خوشی یا تکالیف اور شدائد کی شکل میں اگلی زندگی میں نکلیں گے۔

(ج) اچھے یا بُرے نتائج کے ساتھ خودی کا استحکام یا ارتقاء حیات بعد الممات میں جاری رہے گا۔

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات اس ضمن میں قابلِ غور ہیں۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ (المجادلۃ : ۶)

اُس روز جب اللہ ان سب کو (جِلا) اٹھائے گا، پھر انہیں جتلا دے گا جو کچھ وہ کرتے رہے۔ اللہ نے تو اسے (یعنی ان کے اعمال کو) شمار کر رکھا ہے اور وہ خود اسے بھول گئے ہیں۔ اور اللہ تو ہر چیز پر گواہ ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ (المومنون : ۱۱۵)

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں (یونہی) بیکار پیدا کر دیا ہے اور یہ کہ تمہیں ہماری طرف لوٹ کر نہیں آنا ہے۔؟

وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ (الکہف : ۴۹)

اور جو کچھ انہوں نے (دنیا میں) کیا تھا وہ سب (اپنے سامنے) موجود پائیں گے۔ اور تمہارا رب کسی پر (ذرا بھی) ظلم نہیں کرتا۔

انسانی وجود کے لاشعوری حصّے میں اس کے کیے ہوئے تمام اعمال (خواہ کوئی عمل کتنا ہی چھوٹا اور کتنا ہی چھپ کر کیا گیا ہو) کا محفوظ ریکارڈ قیامت کے دن اس کی نگاہوں کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ تاکہ وہ خود اس کو دیکھ لے اور اس کے نتائج بھگتنے کے لیے تیار ہو جائے بفحوائے آیت قرآنیہ:

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ط (بنی اسرائیل: ۱۳)

اور ہم نے ہر انسان کا صحیفۂ عمل اس کے گلے میں لٹکا رکھا ہے۔

اس دن ہر شخص اپنے نامہ اعمال کو دیکھ کر اپنے انجام کو جاننے کے لیے کافی ہوگا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بتایا گیا ہے:

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ط كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۴)

پڑھ اپنا اعمال نامہ، آج تو خود ہی اپنے خلاف حساب کرنے والا کافی ہے!

قیامت کے دن جب ہر شخص اپنا نامہ اعمال دیکھے گا تو یہ جان کر ششدر رہ جائے گا کہ دنیوی زندگی کے دوران کیا ہوا انتہائی چھوٹا عمل بھی اس میں درج ہے اور یہ کہ کوئی عمل بھی اس سے باہر نہیں رہا۔ چنانچہ عالمِ حیرت میں کفِ افسوس ملتا ہوا پکار اُٹھے گا:

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ج (الکہف: ۴۹)

یہ کیسا نوشتہ ہے کہ اس نے نہ تو کسی چھوٹی چیز کو چھوڑا ہے اور نہ ہی بڑی چیز کو، مگر سب کو شمار کر لیا ہے۔

خواہ کوئی عمل کتنا ہی چھوٹا اور اس کی دانست میں بے وقعت کیوں نہ ہو، اس روز اس کی جواب دہی اسے کرنا ہوگی اور مکافاتِ عمل سے دوچار ہونا پڑے گا۔ بفحوائے آیتِ قرآنیہ:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال: ۷، ۸)

تو جس نے ذرّہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرّہ بھر بُرائی کی ہوگی تو وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔

حیاتِ اُخروی کی خواب کے تجربات سے مشابہت

حیاتِ اُخروی کے تجربات کی نیند کے دوران خواب میں دیکھے جانے والے مناظر اور تجربات سے ایک درجے کی مماثلت ہے۔ خواب کے دوران انسان کا وہ شعور جو تجربات سے گزرتا ہے، اس کے مادی جسم سے بالکل لاتعلق ہوتا ہے۔ انسان کا جسم نیند کی حالت میں بستر پر دراز آرام کر رہا ہوتا ہے جبکہ انسانی شعور کسی اور غیر مرئی جسم کو استعمال کرتے ہوئے خواب میں مختلف تجربات اور احساسات کو محسوس کرتا ہے۔ اور ان تجربات سے متعلقہ غمی، خوشی یا خوف کے جذبات بتمام و کمال محسوس کرتا ہے اور اشیاء اور انسانوں کو دیکھتا اور ان کا بھرپور تجربہ حاصل کرتا ہے۔

خواب کے تجربات کے دوران انسانی خودی اپنے مادّی حصّے یعنی جسم سے کلیتاً منقطع ہوتی ہے۔ اس کی بعینہٖ یہی حالت موت کے بعد ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نیند کو موت سے مشابہ بیان کرتا ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ (الزمر: ۴۲)

وہ اللہ ہی ہے جو ان کی موت کے وقت رُوحیں قبض کر لیتا ہے اور جو ابھی مرا نہیں اس کی رُوح نیند میں (قبض کر لیتا ہے)

فرق یہ ہے کہ خواب کے تجربات کا تعلّق اکثر و بیشتر ہمارے مستقبل سے ہوتا ہے جبکہ اُخروی زندگی ہمارے ماضی یعنی دنیوی کا عکس ہوگی۔ حیاتِ دنیوی کے جملہ تجربات و افعال جو ہمارے لاشعور میں محفوظ ہوتے رہتے ہیں، قیامت کے دن بالکل اسی طرح ہمارے

سامنے کھول کر رکھ دیئے جائیں گے جس طرح فلم کی ریل میں مناظر بند ہوتے ہیں اور اسے پروجیکٹر میں لگا کر بعد میں کسی وقت تمام مناظر کو پردہ سیمیں پر دیکھا جا سکتا ہے۔

حیاتِ دنیوی میں خودی کے ارتقاء کی اعلیٰ ترین سطح

جُوں جُوں ایک صاحبِ ایمان شخص کی صحیح نصب العین کے لیے محبّت بڑھتی ہے، اسی قدر اسے اطمینان اور مسرّت کا احساس زیادہ ہونے لگتا ہے حتیٰ کہ بعض اوقات عبادت یا مراقبے کے دوران اسے ایسی کیفیّت کا احساس ہوتا ہے کہ گویا وہ حسنِ ازل کی طرف کھنچا چلا جا رہا ہے۔ اس کی صورت ایسی ہی ہوتی ہے جیسے ایک لوہے کی سوئی مقناطیس کی طرف کشش رکھتی ہے۔ اس کشش میں بعض اوقات کششِ ثقل سے بھی زیادہ کھچاؤ ہوتا ہے۔ اس روحانی تجربے میں جو لذّت اور وجد کی کیفیّت محسوس کی جاتی ہے کوئی دوسرا تجربہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کیفیّت میں ایک سالک اپنے محبوب کا بلاواسطہ دیدار کرتا ہے اور اس کی خودی اس تجربے میں پُوری طرح محو ہوتی ہے۔ اس مقام پر وجودِ باری تعالیٰ کی معیّت کا احساس اس قدر پُرکیف ہوتا ہے کہ کوئی بھی اس کیفیّت سے نکلنا تکلیف دہ پاتا ہے لیکن حق تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول ہی کے لیے ایک صاحبِ ایمان اس روحانی تجربے سے باہر آ کر زیادہ ہمّت اور عزم کے ساتھ خلقِ خدا کو اس صراطِ مستقیم پر لگانے کی کوشش کرتا ہے جس کا حکم اسے ملا ہے۔ دینِ حق کی یہ دعوت اس کے صحیح نصب العین کے ساتھ محبّت کا ہمیشہ اہم جزو بنی رہتی ہے۔ مذکورہ بالا روحانی تجربے کے بعد ایک صاحبِ ایمان زیادہ شوق اور جذبے کے ساتھ دینِ حق کی سربلندی کی جدوجہد میں لگ جاتا ہے۔ اگرچہ یہ روحانی تجربہ بڑا مختصر ہوتا ہے لیکن ایک مردِ حق کو اس کا تجربہ مراقبے اور عبادت میں اکثر ہوتا رہتا ہے۔ اس تجربے کے اس کی آئندہ زندگی پر مندرجہ ذیل اثرات مرتب ہوتے ہیں:

(۱) اسے دِلی مسرّت و انبساط اور اطمینانِ قلب کی ایک کیفیّت حاصل رہتی ہے۔ گویا اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے وجود اور اس کائنات کا راز پا گیا ہے اور ان کی معنویّت اس پر عیاں ہو گئی ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ○ (الرّعد : ۲۸)

وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور ان کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو، اللہ کی یاد ہی سے دل اطمینان حاصل کرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (حم السجدۃ : ۳۰)

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر (اس پر) جمے رہے اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (یہ کہتے ہوئے کہ) نہ ڈرو اور نہ غم کھاؤ۔

(۲) اس میں ضبطِ نفس اور خود شعوری پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو چھوٹے سے چھوٹے گناہ اور معصیت سے بھی بچاتا ہے۔ اس کی خود آگہی ترقی کی اعلیٰ ترین سطح پر پہنچ جاتی ہے۔

(۳) چونکہ اس کے ذہن و قلب میں خوف و شک کا کوئی شائبہ بھی نہیں رہتا اس لیے اس میں بے پناہ قوتِ عمل پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کمر کس لیتا ہے۔ اس کی شخصیت ایک متحرک اور فعال شخصیت بن جاتی ہے اور وہ پوری دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مرضیات نافذ کرنے کی بھرپور جدّ و جہد کرتا ہے۔ اقامتِ دین کے عظیم کام کے لیے وہ اپنے آپ کو نفسیاتی، اخلاقی اور علمی طور پر تیار کرتا ہے اور اپنے کردار کو خوب مضبوط بناتا ہے۔ اور یہ تمام صفات وہ اپنے اعلیٰ روحانی تجربے اور پاکیزہ باطنی کیفیات کی وجہ سے ہی حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

(۴) وہ ان اوامر و نواہی پر سختی سے کاربند رہتا ہے جن پر عمل کے ذریعے ہی وہ خود آگہی اور خدا شناسی کے اس بلند مقام تک پہنچتا ہے، جہاں وہ اس کی رُوحانی برکات سے متمتع ہوتا ہے۔ وہ حیاتِ دنیوی کے آخری دم تک تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کی اس روش پر قائم رہتا ہے۔

(۵) چونکہ اس کے مقاصدِ حیات اپنے خالقِ حقیقی کے مقاصد کے ساتھ مکمّل طور پر مطابقت

اختیار کر لیتے ہیں اس لیے اس کی مرضی اور ارادے میں حق تعالیٰ کی مشیت شامل ہو جاتی ہے۔ اس طرح اس کے اعضاء و جوارح سے وہی افعال انجام پاتے ہیں جو خالقِ حقیقی کو پسند ہوتے ہیں۔

خالقِ حقیقی کا بلاواسطہ مشاہدہ۔ (احسان)

کیا ذاتِ حق تعالیٰ کا بلاواسطہ مشاہدہ اور دیدار ممکن ہے؟

اس سوال کا جواب اس صورت میں زیادہ بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے جب ہم اپنے اردگرد پھیلی ہوئی اشیاء کے ادراک و مشاہدے کے عمل کو سمجھ لیں۔ خارجی شے سے آنے والی روشنی کی شعاعیں جب ہماری آنکھ کے پردے پر پڑتی ہیں تو پتلی سے گزرنے کے بعد وہ اس شے کا عکس آنکھ میں بناتی ہیں۔ اس عکسی تصویر کی حس بصری شریانوں کے ذریعے ذہن تک پہنچائی جاتی ہے جہاں سے ہمارا شعور اس شے کا ادراک حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ بصارت کے عمل میں آخری اہم اور فعال عنصر ہماری خودی ہے اور مشاہدے کی اصل حقیقت خودی یا ذہنِ انسانی کا تصوراتی عمل ہے۔ اس تصوّر کے بعض اجزاء مثلاً رنگ اور وضع قطع کی صفات میں بعض اجزاء ذہن انسانی کی فعالیت کے زیرِ اثر شامل کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ شے مدرک دراصل خارج میں موجود شے نہیں ہوتی بلکہ متعدد شئون پر مشتمل تصوّر ہوتا ہے۔ ذہن، بصری شریان اور روشنی کا کام اس پورے عمل میں معاون کا ہوتا ہے جس سے شعور کو اس تصوّر کی جملہ صفات کا علم ہوتا ہے۔ جب ایک شعور کو یہ علم حاصل ہو جاتا ہے تو وہ ان واسطوں کے بغیر بھی اس تصوّر کو قائم کر سکتا ہے۔ شے کی صفات کا علم جتنا زیادہ اور واضح ہوگا بغیر حواس کا تصوّر بھی اتنا ہی زیادہ صاف اور واضح ہوگا۔

جب مسلسل اخلاقی پابندی اور مذہبی مراقبے سے ایک صاحبِ ایمان کی صحیح نصب العین کے لیے محبت انتہائی بڑھ جاتی ہے اور خالقِ حقیقی کی صفاتِ عالیہ کا تصوّر بہت واضح ہو جاتا ہے تو لمبا اوقات حالتِ مراقبہ میں اس پر ان صفات کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ وہ اس کے شعور پر پورے طور پر چھا جاتی ہیں۔ اس قلبی کیفیت میں وہ اپنے خالقِ حقیقی کو بالکل اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح دنیا میں موجود کسی شے کو دیکھا جاتا ہے۔ یہ روحانی تجربہ الفاظ کی گرفت میں نہیں آ سکتا

اور بالخصوص ان لوگوں کے لیے اس کی تفہیم بہت مشکل ہوتی ہے جنہیں خود اس تجربے سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔

ایک صاحبِ ایمان کی روحانی ترقی کی اس منزل کو جس پر اسے عرفانِ حق حاصل ہوتا ہے احسان کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اسی کا حوالہ ان الفاظ میں آیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

بے شک اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احسان کی تعریف اس طرح کی ہے:

اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ (الحدیث)

احسان یہ ہے کہ تُو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تُو اسے دیکھ رہا ہے۔

محبتِ خداوندی جتنی زیادہ گہری ہوتی ہے اسی قدر حقیقتِ مطلقہ کا مشاہدہ زیادہ واضح ہوتا ہے اور روحانی سرور بھی اسی تناسب سے حاصل ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا تھا کہ انہیں پہلے باری تعالیٰ کا بلاواسطہ مشاہدہ کرایا جائے تاکہ بعد میں وہ اس نبی پر ایمان لائیں حالانکہ یہ صرف حکم عدولی اور ایمان نہ لانے کا ایک بہانہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایمان اور اطاعت کی سخت مشقتوں سے گزر کر ہی انسان اس قابل ہوتا ہے کہ اسے حق تعالیٰ کا بلاواسطہ مشاہدہ حاصل ہو۔ چنانچہ انہیں اپنے نامعقول مطالبے کی سزا بھگتنی پڑی۔

جاری ہے

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهُ